کتابتِ مصاحف اور علم الرسم (۲)

پروفیسر حافظ احمد یارؒ

(۱۶) علماءِ رسم نے تمام کلماتِ قرآن کی کتابت (املاء) کا بنظر غائر مطالعہ اور مشاہدہ (مصاحف میں) کیا۔ اور خصوصاً ان کلمات کا تجزیہ کیا جن میں اختلافِ کتابت کی کوئی صورت پائی جاتی ہے۔ پھر ان املائی اختلافات سے کچھ قواعد کلیہ مستنبط کیے اور بالآخر اس نتیجے پر پہنچے کہ جملہ اختلافات یا احکامِ رسم کو مندرجہ ذیل چھ قواعد کے تحت منحصر کیا جا سکتا ہے: حذف' زیادۃ' ہمز (رسم ہمزہ)' بدل و وصل و فصل اور ''قراءت کا تنوع''۔

ایک عجیب بات یہ ہے کہ رسم قیاسی کے علماء نے بھی اپنے اصول ان میں سے پہلے پانچ قواعد پر ہی استوار کیے ہیں (۵۰)۔ (صرف چھٹا قاعدہ علم الرسم سے مختص ہے۔) اور بیشتر صورتوں میں ان قواعد کے تحت کلمات کا طریق املاء رسم قیاسی اور رسم قرآنی میں یکساں رہتا ہے۔ (یہ بات پہلے بھی لکھی جا چکی ہے کہ رسم قرآنی نوے فیصد رسم قیاسی کے مطابق ہوتا ہے۔) البتہ رسم قیاسی اور رسم قرآنی میں ان قواعد کے اطلاق میں فرق ہے جس سے اختلاف پیدا ہوتا ہے۔ علم الرسم کے ان ''قواعدِ ستہ'' کا مختصر بیان یا ان کا تعارف کچھ یوں ہے:

(۱) حذف: کے تحت ان کلمات سے بحث کی جاتی ہے جن کی کتابت میں کوئی حرف محذوف مگر نطق میں موجود ہوتا ہے یعنی وہ حرف لکھا نہیں جاتا مگر پڑھا ضرور جاتا ہے۔ یہ محذوف حرف عموماً ''ا''، ''و'' یا ''ی'' ہوتے ہیں' اگرچہ ایک آدھ مثال ''ن'' یا ''ل'' کے حذف کی ملتی ہے۔ اس کی مثال ''الرحمٰن''، ''داود'' اور ''النبین'' کے کلمات ہیں جو دراصل الرحمان' داوود' اور النبیین پڑھے جاتے ہیں۔ قرآن کریم میں اس قسم کے کلمات کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہے اور کتب رسم میں ان سب کا فرداً فرداً ذکر موجود ہے۔

(۲) زیادۃ: سے مراد یہ ہے کہ بعض دفعہ کسی کلمہ میں کوئی حرف لکھا تو جاتا ہے مگر پڑھا نہیں جاتا۔ یہ زائد حرف بھی ہمیشہ ''ا''، ''و'' یا ''ی'' ہی ہوتا ہے۔ اس کی ایک مثال مِائَة ' اُولٰئك اور ''بِاَیْیْدٍ'' ہیں جو علی الترتیب مِئَة' اُلائك اور بِایْدٍ پڑھے جاتے ہیں۔ [آپ نے محسوس کر لیا ہوگا کہ اُولٰئك میں حذف اور زیادۃ دونوں قاعدے کارفرما ہیں۔]

(۳) الہمز یا رسم ہمزہ: یعنی ہمزہ کی کتابت اور رسم کی مختلف صورتوں کا بیان۔ ان میں سے بعض صورتیں رسمِ قیاسی سے موافق ملتی ہیں اور بعض مختلف ہوتی ہیں۔ دونوں صورتوں میں کتابت ہمزہ کے قواعد خاصے طویل ہیں۔

☆ اس مضمون کی پہلی قسط جنوری تا مارچ ۲۰۱۸ء کے شمارہ میں شائع ہوئی۔

(۴) بدل: کے تحت ان کلمات کو بیان کیا جاتا ہے جن کی املاء میں ایک حرف کی بجائے کوئی دوسرا حرف لکھا جاتا ہے' حالانکہ تلفظ کا تعین وہی پہلا حرف کرتا ہے' مثلاً الف کی بجائے ''وٗ' یا ''ی'' لکھنا۔ اس کی مثال الصلٰوۃ 'بلٰی اور حتّٰی یا متٰی میں ملتی ہے' جو علی الترتیب الصلاۃ 'بلا اور ''حتا'' یا ''متا'' پڑھے جاتے ہیں۔ [یہاں بھی آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ بلی 'حتی اور متی کا قیاسی اور قرآنی رسم یکساں ہے' البتہ لفظ صلٰوہ کا معاملہ مختلف ہے۔ اس کی مثالیں تو اردو میں بھی متعارف ہیں' مثلاً ادنیٰ' اعلیٰ' موسیٰ' عیسیٰ وغیرہ۔]

(۵) وصل و فصل: جسے قطع اور وصل بھی کہتے ہیں۔ اس قاعدہ کے تحت یہ بیان ہوتا ہے کہ دو کلمات (حرف اور اسم یا اسم اور اسم) کو ملا کر یا الگ الگ لکھنے کا قاعدہ کیا ہے' مثلاً فِي مَا اور فیما' اَيْنَ ما اور اَيْنَما، اَمْ مَنْ اور اَمَّنْ' يَوْمَ هُم اور يَومَهُم وغیرہ۔

(۶) قراءت کا تنوع: یا اختلافِ قراء تین۔ اس میں ان مخصوص کلمات کی املاء کا قاعدہ بیان ہوتا ہے جن میں دو بالکل مختلف مگر بتواتر ثابت قراء تین ہوتی ہیں۔ اس میں محتمل القراءات رسم کے علاوہ [جس کی مثالیں قرآن کریم میں بکثرت ملتی ہیں' ایک مثال لفظ ''ملك'' ہے جو مالك بھی پڑھا جاتا ہے اور مَلِك بھی] وہ کلمات بھی آتے ہیں جو مصاحفِ عثمانیہ میں سے کسی ایک میں ایک قراءت کے مطابق اور کسی دوسرے میں دوسری قراءت کے مطابق لکھے گئے تھے۔ اس کی ایک مثال سورۃ الکھف کی آیت ۳۲ میں وارد کلمہ مِنْهَا کا بعض مصاحف میں مِنْهُما (بصیغۂ تثنیہ) لکھنا ثابت ہے۔ اور ورش کی قراءت میں اب بھی اسی طرح بصیغۂ تثنیہ لکھا اور پڑھا جاتا ہے۔

(۱۷) علم الرسم کے مؤلفین میں مواد کو مرتب شکل میں پیش کرنے کے لیے عموماً دو رجحانات پائے جاتے ہیں:

(۱) بعض علماء اپنی کتاب کو مذکورہ بالا ''قواعدِ ستّہ'' کی ترتیب کے مطابق ابواب و فصول میں تقسیم کر لیتے ہیں اور پھر ان قواعدِ ستّہ میں سے ہر ایک کی کچھ ضمنی تقسیمات بھی کر لیتے ہیں' اور ہر ایک قاعدے کے تحت آنے والے کلمات کے بیان میں قرآن کریم کی ترتیب سور کو ملحوظ رکھا جاتا ہے' مثلاً: سب سے پہلے حذف کے تحت سورت بسورت الحمد سے والناس تک ان کلمات کو بیان کرتے جائیں گے جن کا تعلق اس قاعدہ (حذف) سے ہے۔ اور اس میں بھی پہلے محذوف الالف الفاظ' پھر محذوف الواؤ' پھر محذوف الیاء اور آخر پر محذوف النون اور محذوف اللام کلمات کا ذکر ہوگا' وھٰکذا۔ المھدوی' الجھنی 'الدانی 'الشاطبی' الجعبری اور الخراز کی تالیفات میں یہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ (۵۱)

(۲) دوسرا طریقہ یہ ہے کہ پورے قرآن کو الفاتحہ سے والناس تک ایک ایک سورت کو لیتے ہیں اور ہر سورت میں بہ ترتیب آیات ان کلمات کا ذکر کرتے ہیں جن کی املاء میں قواعدِ ستّہ میں سے کوئی ایک یا ایک سے زائد قاعدے استعمال ہوئے ہوں۔ اس طریقے میں عموماً یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی کلمہ پہلی دفعہ سامنے آتا ہے تو نہ صرف اس کا قاعدہ بیان کرتے ہیں بلکہ یہ بھی بتاتے ہیں کہ یہ لفظ قرآن میں جہاں جہاں بھی آیا ہے اسی قاعدے کے تحت لکھا جاتا ہے یا اس کے کوئی استثناءات بھی ہیں۔

مثلاً سورۃ البقرہ میں ''ذلک'' کے متعلق بتائیں گے کہ یہ لفظ قرآن کریم میں جہاں بھی آیا ہے (کیف وقع) بحذفِ الف ہی لکھا جاتا ہے۔[رسم قیاسی والا بھی یہی کہے گا کہ ذلک ہر جگہ اور ہر موقع پر بحذف الف ہی لکھا جاتا ہے۔] پھر ''الکتٰب'' کے متعلق بتائیں گے کہ یہ لفظ پورے قرآن میں بحذفِ الف لکھا جاتا ہے' سوائے چار مواقع کے جن کا ذکر اپنے اپنے موقع پر آئے گا۔ اسی طرح ''اُولٰئك'' میں حذف (الف) بھی ہے اور زیادۃ (واو) بھی ہے اور جہاں بھی آتا ہے اسی طرح لکھا جاتا ہے' وغیرہ وغیرہ [۵۲]۔ اب آگے جہاں جہاں کلمات ''ذٰلِك'' اور ''اُولٰئِك'' آئیں گے ان کے متعلق کچھ بیان نہیں کیا جائے گا یا زیادہ سے زیادہ یہ لکھ دیا جائے گا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ البتہ اگر کلمہ ''الکتب'' کا کوئی اثباتِ الف والا موقع آیا تو کہیں گے کہ یہاں اسے ''کتاب'' لکھنا ہے۔ اس طریقے میں چونکہ مؤلف پہلی دفعہ سامنے آنے والے کلمہ کے متعلق بات کر دیتا ہے اس لیے اس لفظ کے مکرر آنے پر قاعدہ مکرر بیان کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسی کتاب کا ابتدائی حصہ قواعد کے بیان سے بھرا ہوتا ہے اور آخری حصہ مختصر رہ جاتا ہے۔

اس طریقے پر لکھی گئی کتابوں میں ابوداؤد کی التنزیل' ابوطاہر العقیلی کی **فی مرسوم المصاحف**' ابن وثیق کا رسالہ **فی رسم المصحف الامام** اور ایک مجہول مؤلف کی کتاب **جامع الکلام فی رسم المصحف الامام** قابل ذکر ہیں۔ اور اس طریقے پر لکھی ہوئی سب سے جامع اور مبسوط کتاب ارکاٹی کی **نثر المرجان فی رسم نظم القرآن** ہے۔[۵۳]

(۱۸) علم الرسم پر تالیفات کے اس طویل سلسلے اور اس فن کے بارے میں اس سارے اہتمام کی غرض وغایت یہ ہے کہ کاتب مصحف کو رسم قرآنی کے احکام سے آگاہی حاصل ہو' تاکہ کلام اللہ کی کتابت میں رسمِ قرآنی کی انفرادیت کو برقرار رکھا جاسکے اور اسے عام رسم املائی یا رسم قیاسی کے ساتھ خلط ملط نہ کر دے۔ جب رسمِ قرآنی اور رسم املائی کے اختلاف کی بات ہوتی ہے تو اکثر یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ شاید عہد نبوی یا راشدین میں دو طریقِ املاء موجود تھے' یا یہ کہ رسم قیاسی موجود تھا مگر کُتّابِ مصاحف نے (کسی وجہ سے) اس کی خلاف ورزی کی۔ یہ نظریہ سراسر غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عہد نبوی وراشدین میں املاء عربی کی وہی صورت موجود تھی جس میں مصاحف لکھے گئے۔ رسم املائی اور اس کے قواعد تو دوسری صدی ہجری میں وجود میں آئے۔ تاہم جب عام پڑھے لکھے لوگ ان قواعد سے شناسا ہوئے اور ان کو ہر دو رسم (قرآنی اور املائی) میں فرق اور اختلاف نظر آیا تو اس کی وجوہ پر غور کیا جانے لگا۔ اور اس تحقیق وتفتیش میں رسم قیاسی کو اصل اور رسم قرآنی کو اس سے متفرع سمجھ کر گاڑی کو گھوڑے کے آگے لگا دیا گیا۔[۵۴]

بہرحال ہر دو رسم کے درمیان فی الواقع موجود اختلاف (چاہے جس وجہ سے ہو!) کی بناء پر یہاں دو سوال اہلِ علم کے ذہن میں اُبھرے۔ اور یہ سوال آج بھی موجود ہیں: (ا) ایک تو یہ کہ رسم املائی اور رسم قرآنی میں یہ اختلافات کیوں ہیں؟ اور خود رسم قرآنی میں بعض کلمات کی املاء میں اتفاق کی بجائے یہ اضطراب کیوں

موجود ہے کہ ایک لفظ کہیں ایک طریقے سے اور کہیں دوسرے طریقے سے لکھا جاتا ہے؟ (۲) دوسرے یہ کہ کیا ان اختلافات کو برقرار رکھنا ضروری ہے؟ (جواب نفی میں ہو یا اثبات میں مگر) کیوں؟ کس وجہ سے؟

پہلے سوال کے جواب میں اس وقت تک تین نظریات پیش کیے گئے ہیں:

پہلا نظریہ: یہ ہے کہ رسم المصحف توقیفی ہے اور یہ اَسرارِ الٰہی میں سے ایک سر ہے۔ قرآن مجید لوحِ محفوظ میں اسی ''رسم'' کے ساتھ لکھا گیا تھا' اور آنحضرت ﷺ کاتبِ وحی کو ہر لفظ کی مخصوص املاء بھی بتا دیتے اور اسی کے ساتھ لکھنے کا حکم دیا کرتے تھے۔ ہماری عقل اس کی وجہ کو نہیں پا سکتی' ہمارا کام فقط اس کا اتباع کرنا ہے' وغیرہ (۵۵)۔ پھر بعض لوگوں نے رسم قرآنی کے ان ''اَسرار و حکم'' تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کی اور رسم قرآنی کی ایسی عجیب وغریب تعلیلات اور توجیہات پیش کیں جو سراسر غیر معقول اور ناقابل قبول ہیں۔ اس کی سب سے بڑی مثال ابوالعباس مراکشی کی کتاب ہے۔ بعض نے نحوی بنیادوں پر بھی بعض تعلیلات پیش کی ہیں جن میں نسبتاً معقولیت کا پہلو پایا جاتا ہے۔ (۵۶)

یہ نظریہ (توقیف) معقولیت سے بعید ہے' اس لیے کہ ایک تو آنحضرت ﷺ کی اُمیۃ (لکھنا پڑھنا نہ سیکھنا) قرآن سے ثابت ہے۔ دوسرے روایتاً بھی کاتبانِ وحی کو طریق املاءِ کلمات کے بارے میں قطعاً کوئی ہدایات ثابت نہیں ہیں۔ جب رسم قرآنی کے اتباع کے وجوب والتزام کے بارے میں بعض دوسرے معقول اور وزنی دلائل موجود ہیں تو اس بے سند اور غیر معقول استدلال کا سہارا لینے کی کیا ضرورت ہے؟ خیال رہے التزام رسم عثمانی الگ بات ہے اور نظریہ توقیف الگ۔ دونوں کو ایک سمجھنا خلط مبحث ہے۔ (۵۷)

دوسرا نظریہ: رسم قرآنی کی اصل کے بارے میں دوسرا نظریہ یہ ہے کہ یہ رسم اصطلاحی ہے' یعنی مصاحف عثمانیہ کے کاتبوں نے بعض حکمتوں اور مصلحتوں کی بناء پر اس قسم کا رسم الخط یا طریق املاء اختیار کیا۔ مثلاً ایک حکمت **احتمال القراء ات المتواترہ** یا **قراء ت عرضۂ اخیرہ** یا **اشتمال الاحرف السبعہ** کا اہتمام تھا۔ یہ علم القراءات کے ماہرین کی توجیہہ ہے۔ اس بات کی کوئی واضح نقلی دلیل موجود نہیں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا مصاحف عثمانیہ کے کاتبوں نے اس موقع پر بعض کلمات کے لیے کوئی خاص نیا طریق املاء ''ایجاد'' کیا تھا۔ جہاں باہمی اختلاف کی صورت میں کُتّابِ مصاحف کا معاملہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کرنے کا حکم بیان ہوا ہے تو اس میں ایک لفظ ''تابوت'' کی املاء کا معاملہ اوپر جانے کی روایت تو ملتی ہے' لیکن ایسی کوئی روایت نہیں ملتی کہ مثلاً کاتب نے کہاں ایک لفظ بحذف الف لکھنا ہے اور کہاں باثبات الف۔ یا (مثلاً) واوجمع کے بعد کہاں الف زائد لکھنا ہے اور کہاں نہیں لکھنا ہے وغیرہ۔ املاء کلمات کے لیے کوئی طریقہ (اصطلاح) وضع کرنے کا نظریہ اس لیے بھی معقول نہیں لگتا کہ صحابہؓ کا آنحضور ﷺ کے وقت میں بلکہ ان کے سامنے لکھے جانے والے طریق املاء کو ترک کر کے اس کی بجائے کوئی نیا طریق املاء اختیار کرنا بہت مستبعد معلوم ہوتا ہے۔

البتہ علامہ ابن خلدون نے اس کی یہ توجیہہ پیش کی ہے کہ عہدِ نبوی بلکہ راشدین تک عربی کے علم الاملاء کا ارتقاء ابھی مکمل نہیں ہوا تھا۔ کتابت کو حجاز میں متعارف ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا اور املاء کے قواعد وضوابط

ابھی کمال پختگی کو نہیں پہنچے تھے بلکہ ایک قسم کے عبوری دَور سے گزر رہے تھے اور یہی چیز صحابہؓ کے کلمات کے لکھنے میں املاء کے اختلاف اور اضطراب کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ یہ ایک طرح سے اس میدان میں صحابہؓ کی ''علمی کمزوری'' کا ایک مظہر ہے۔ ابن خلدون نے ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ اس سے صحابہ کی (خدانخواستہ) توہین کا کوئی پہلو نہیں نکلتا' اس لیے کہ کتابت اور املاء کی مہارت کی حیثیت ذاتی کمال کی نہیں بلکہ ایک اضافی کمال کی ہے(۵۸)۔ تاہم اس کے اس جرأت مندانہ اور محققانہ نظریہ پر بھی تین قسم کے ردّعمل سامنے آئے ہیں:

(ا) رسم میں نظریہ توقیف کے حامیوں نے تو خود ابن خلدون کو گستاخ اور جاہل بنا ڈالا اور بعض نے تو ابن خلدون کے موقف کے پہلے حصے کو بیان کیا مگر (عمداً) دوسرے حصے کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش بھی کی ہے۔(۵۹)

(ب) رسم المصحف کے مخالفوں اور ''ہجاء حدیث'' اور ''رسم جدید'' کے حامیوں نے ابن خلدون کی رائے کو اپنے لیے ایک عمدہ ہتھیار خیال کیا' اسے رسم المصحف کے خلاف اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا زریں موقع سمجھا اور اسے اپنی زبان درازی اور صحابہ کے علم میں طعن کے لیے گویا بطور استدلال یا تائید استعمال کیا۔ اس کی ایک مثال ایک مصری مؤلف محمد عبداللطیف کی کتاب ''الفرقان'' میں ''**هجاء القرآن ورسمه**'' کے عنوان کے تحت نظر آئے گی' جس میں رسم المصحف کے خلاف اپنا سارا زہر اگلنے کے بعد آخر پر ابن خلدون کا اقتباس اس موقف کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے کہ ''رسم المصحف کی کوئی علمی بنیاد نہیں ہے۔'' یہ کتاب حکومتِ مصر نے ضبط کر لی تھی۔(۶۰)

(ج) بعض اعتدال پسند منصف مزاج اہلِ علم نے ابن خلدون کے نظریہ کو سراہا ہے اور اسے رسم قرآنی اور رسم قیاسی کے باہمی اختلافات کی ایک معقول توجیہہ قرار دیا ہے(۶۱) اور یہ کہ ابن خلدون ہرگز صحابہؓ کی شان میں کسی گستاخی کا مرتکب نہیں ہوا۔ نہ اس نے کبھی یہ کہا کہ رسم المصحف کو ترک کرنا چاہیے اور نہ ہی اس نے مصری تجدد پسند عبدالعزیز فہمی(۶۲) یا مؤلف ''الفرقان'' کی طرح صحابہؓ یا رسم المصحف کے بارے میں جہل یا سخافت وغیرہ کے الفاظ استعمال کیے ہیں' بلکہ اس نے تو رسم المصحف کی تقدیس اور تکریم کی معقول وجہ بھی بیان کر دی ہے۔ البتہ اس نے قائلین توقیف کی غیر معقول تعلیلات پر تنقید ضرور کی ہے۔

تیسرا نظریہ: رسم قرآنی اور عام رسم املائی میں اختلافات کی توجیہہ کا ایک (تیسرا) نظریہ ہمارے زمانے میں سامنے آیا ہے۔ عربی خط (کتابت اور املاء) کی تاریخ اور اس کے ارتقاء پر اثری اکتشافات کے نتیجے میں دستیاب ہونے والے بعض نقوش والواح اور کتابات (Inscriptions) کے حوالے سے جو جدید تحقیق ہوئی ہے(۶۳) اس سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ زمانہ قبل از اسلام اور بعد از اسلام (عہدِ نبوی وراشدین تک) حجاز میں جو قواعدِ کتابت اور طریق املاء رائج تھا اس کی اصل نبطی خط تھا(۶۴) جو شمالی علاقوں (شام وغیرہ) سے حجاز میں آیا تھا۔ اور یہ کہ اس زمانے کی عربی املاء (جو مصاحف عثمانیہ کی تیاری تک رائج تھی) کے کم از کم چار مظاہر تو صاف نبطی الاصل ہیں: (۱) نقط وشکل سے عاری ہونا (۲) وسط کلمہ میں الف کا محذوف ہونا (**مالك: ملك**)

(۳) تائے تانیث (ۃ) کو تائے مبسوطہ (ت) کی شکل میں لکھنا۔ اور (۴) رسم ہمزہ کے بعض طریقے مثلاً ہمزہ مضمومہ کے بعد ''وٗ'' لکھنا (جیسے اُولٰئِكَ میں)۔ اور یہ چاروں مظاہر رسم قرآنی میں موجود ہیں۔ (۶۵)

املاءِ عربی کے ارتقاء کے اس عبوری نظریہ سے ایک ہی مصحف کے اندر کسی لفظ کی کتابت کے اختلاف کی بھی توجیہہ ہو جاتی ہے۔ نبطی خط میں حجاز کے اندر آنے کے وقت تک (کم از کم بھی دو صدیوں کے ارتقاء کی بدولت) املاء کے قواعد میں اگرچہ ایک حد تک پختگی تو آ چکی تھی تاہم ابھی ان میں اتنا استحکام اور اتنی یکسانیت پیدا نہیں ہوئی تھی اور بعض کلمات کو کبھی ایک ہجاء کے ساتھ اور کبھی دوسرے ہجاء کے ساتھ لکھ لیا جاتا تھا (۶۶)۔ یہ تو اسلام کی برکت سے اور کتابتِ مصاحف اور اسلامی علوم کی بدولت ایسا ہوا کہ عربی املاء نے یکسانیت اور استحکام کے سارے مدارج جلدی سے طے کر لیے اور جس کی وجہ سے ''رسم قیاسی'' ایک مستقل علم بن گیا جس پر مستقل تالیفات وجود میں آ گئیں۔ (۶۷)

اور اسی (تیسرے) نظریہ سے یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خصوصاً کُتّابِ مصاحف اپنے زمانے میں رائج طریقہ ہائے املاء و کتابت سے پوری طرح باخبر تھے۔ یہ تو ممکن ہے کہ ابھی یہ علم خود طفولیت میں ہو، مگر صحابہؓ کا اس کے بارے میں علم ہرگز طفل مکتب کا سا نہیں تھا۔ ویسے یہ علم بھی اس وقت تک اپنی طفولیت سے نکل کر بلوغ کے قریب پہنچ چکا تھا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ صحابہؓ کے طریق املاء میں کلمات کی صرفی ونحوی ''استعداد'' یا ''بنیاد'' سے آگاہی کا پتہ چلتا ہے (خصوصاً قاعدہ بدل کے اطلاق میں) (۶۸)۔ بعد میں آنے والے رسم قیاسی کی اصل بنیاد یہی ظہورِ اسلام کے وقت رائج طریق املاء و ہجاء ہی تھا۔ بہت کم اصول و قواعد تبدیل کرنے پڑے۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ اس وقت کا معیاری طریق ہجا وہی تھا جو بعد میں رسم قرآنی کہلایا اور رسم قیاسی اسی میں سے نکلا۔ اور یہی وجہ ہے کہ بیشتر قواعد میں رسم قرآنی رسم قیاسی کے مطابق ہے۔ تمام ''مخالفات'' محدود اور محصور ہیں۔ یہ سمجھنا غلط ہے کہ شاید رسم قیاسی کو مسخ کر کے رسم قرآنی تیار کیا گیا۔ رسم قیاسی تو اس وقت تک موجود ہی نہ تھا اور حقیقت یہی ہے کہ قرآن کریم اپنے زمانے کے معروف طریق املاء کے مطابق ہی لکھا گیا تھا۔

اس تیسرے نظریہ کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ دَورِ صحابہؓ میں ایک بھی ایسا واقعہ بیان نہیں ہوا کہ رسم قرآنی، قرآن کی تلاوت یا قراءت میں کسی صعوبت یا الجھن کا باعث بنا ہو۔ یہ بات سب سے پہلے امام مالک (ت ۱۷۹ھ) کے زمانے میں سامنے آئی جب رسم قیاسی کے اصول و قواعد مرتب ہو چکے تھے اور روزمرہ کی زندگی میں یہی ''نیا'' رسم قیاسی استعمال ہونے لگا تھا اور لوگ اس سے مانوس ہو چکے تھے اور ''پرانا'' طریق املاء اب صرف کتابتِ مصاحف تک محدود ہو گیا تھا، اس لیے وہ عجیب اور غیر مانوس لگنے لگا تھا۔ رسم قرآنی کے معاملے میں آج کل عرب ملکوں کے تعلیم یافتہ لوگوں کو بالکل اسی قسم کی صورتِ حال درپیش ہے۔

(۱۹) رسم المصحف اور رسم قیاسی کے درمیان اختلاف کی توجیہہ کے بارے میں مذکورہ بالا (تین) مواقف سے ہی اس (دوسرے) سوال کے بھی مختلف جواب سامنے آتے ہیں کہ کیا رسم قرآنی اور رسم قیاسی کے

اس فرق واختلاف کو برقرار رکھنا ضروری ہے؟ یا دوسرے لفظوں میں یہ کہ کیا کتابتِ مصاحف میں علم الرسم کے اصولوں (جو رسم مصاحفِ عثمانیہ پر مبنی ہیں) کی پابندی واجب ہے؟ اور ان کی خلاف ورزی واقعی حرام ہے؟

اس سوال کے جواب میں یعنی رسم عثمانی کے التزام یا عدمِ التزام کے بارے میں بھی تین مواقف سامنے آتے ہیں۔(۶۹)

(۱) وجوبِ التزام' یعنی پابندی لازمی ہے' خلاف ورزی ناجائز ہے۔

(۲) جوازِ عدمِ التزام' یعنی پابندی لازمی نہیں' خلاف ورزی جائز ہے۔

(۳) وجوب عدمِ التزام' یعنی پابندی جائز نہیں' خلاف ورزی لازمی ہے۔

لہٰذا ہر ایک موقف کے قائلین اور ان کے دلائل کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

پہلا موقف: کتابت مصاحف میں رسم عثمانی (یا علم الرسم کے اصولوں) کے التزام کے وجوب کے قائلین میں جمہور علماءِ سلف و خلف شامل ہیں۔ یعنی یہ اہل علم کی اکثریت کا موقف ہے۔ اس موقف کی تائید میں امام مالکؒ' امام احمد بن حنبلؒ (بلکہ بقول جعبری ائمہ اربعہ)' تمام ائمہ رسم (مثل الدانی وغیرہ) اور بیشتر مفسرین و محدثین' عبدالرحمٰن المغربی وغیرہم کے اقوال و آراء پیش کیے جاتے ہیں(۷۰)۔ (تاہم یہ سب قائلین توقیف نہیں ہیں) اور اس موقف کی تائید میں دلائل یہ پیش کیے گئے ہیں کہ:

(۱) آنحضرت ﷺ کے سامنے (اس زمانے میں رائج) رسم کے مطابق قرآن لکھا جاتا رہا اور آنحضرت ﷺ نے اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت اسی رسم کے مطابق لکھا ہوا قرآن چھوڑا۔ گویا اس رسم کو کم از کم بھی سنت تقریری کی حیثیت تو حاصل ہے۔ اور اگر آنحضرت ﷺ کے کتابتِ قرآن سے شغف اور اس کے اہتمام کو دیکھا جائے تو یقیناً اسے واجب بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔

(۲) عہد صدیقی اور عہد عثمانی میں مصحف کی کتابت اسی طریقے پر ہوئی' بلکہ ایک ہی کاتب کے ہاتھوں ہوئی۔ اور مصاحفِ عثمانیہ ہی باجماعِ صحابہؓ آئندہ ہمیشہ کے لیے اور سب کے لیے کتابت مصاحف کی بنیاد قرار پائے۔

(۳) آنحضرت ﷺ کے بعد تمام صحابہؓ' تابعین' تبع تابعین' ائمہ مجتہدین (جن کے زمانے میں رسم قیاسی موجود تھا) سب کا اس رسم پر اتفاق ثابت ہے' کسی سے اس کی مخالفت ثابت نہیں ہے۔(۷۱) اہلِ تشیع سے بھی اس کی حمایت اور تائید ثابت ہے اور وہ قاری اور کاتب ہر ایک کے لیے اس سے آگاہ ہونا ضروری گردانتے ہیں۔(۷۲)

(۴) یہ عہدِ نبویؐ کا رسم قرآن ہے۔ اس وجہ سے اسے ایک تاریخی اہمیت بلکہ تقدیس اور تکریم کا درجہ بھی حاصل ہے اور مسلمانوں پر اس کی حفاظت واجب ہے۔(۷۳) اور اسی غرض کے لیے علم الرسم جیسا مہتم بالشان علم وجود میں آیا۔

(۵) یہی رسم اس بات کا ثبوت بہم پہنچاتا ہے کہ عہدِ نبویؐ سے لے کر آج تک قرآن کریم کی کتابت میں ایک حرف تک کا تغیر و تبدل نہیں۔ (ہجاءِ کلمات کے حروف گن کر جوڑنے کا نام ہی تو ہے) بلکہ کسی نبرہ (دندانہ) تک کو بھی نہیں بدلا گیا (مثلاً بِاَیۡیۡدٍ 'بِاَیِّیۡکُم میں) حتیٰ کہ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اس رسم میں فنی قواعد کے لحاظ سے کوئی نقص یا کمی رہ گئی تھی تو اس کی بھی اصلاح نہیں بلکہ حفاظت کی گئی ہے۔ اور نہ ہی محض اس وجہ سے کبھی قرآن غلط پڑھا گیا ہے۔

دوسرا موقف: رسم قرآنی کے عدمِ التزام کے جواز کے قائلین کا موقف یہ ہے کہ کتابتِ مصاحف میں رسم عثمانی کے التزام کی بجائے املاء قیاسی یا قواعد عامہ کا اتباع اور استعمال جائز ہے۔ اس نظریہ کے حامیوں میں علامہ ابن خلدون اور قاضی ابوبکر الباقلانی کا نام لیا جاتا ہے۔ مؤخر الذکر خصوصاً اس نظریہ کے پرجوش حامی تھے۔(۷۴)

اس موقف کے حق میں یہ دلائل پیش کیے جاتے ہیں:

(۱) رسم یا املاء کی حیثیت اشارات اور علامات کی ہے' لہٰذا جو طریق املاء بھی درست تلفظ پر دلالت کرتا ہے اسی کا اتباع صواب ہے۔

(۲) رسم عثمانی قرآن کی درست قراءت میں صعوبت اور التباس کا باعث بنتا ہے۔ تیسیر اور عدمِ حرج کے اصولِ شرعی کی بنا پر جدید اور متعارف طریق املاء کو اختیار کرنا کیوں ناجائز قرار دیا جا سکتا ہے؟

(۳) قرآن' سنت یا اجماعِ امت سے کتابتِ مصحف میں کسی خاص رسم کا قطعی وجوب ثابت نہیں ہے اور نہ ہی آنحضرت ﷺ سے کسی کاتبِ وحی کو املاء اور ہجاءِ کلمات میں کوئی خاص طریقہ اختیار کرنے کی کوئی ہدایت ثابت ہے۔

(۴) قرآن وحدیث میں کسی متعین رسم کی پابندی کا حکم یا اس کی خلاف ورزی سے نہی اور/یا اس خلاف ورزی پر کوئی وعید یا تہدید وارد نہیں ہوئی ہے۔

تیسرا موقف: وجوبِ عدمِ التزام کے قائلین کا موقف یہ ہے کہ عوام الناس کے لیے کتابت مصاحف میں عام املائی قواعد کی پابندی کرنی چاہیے اور رسم عثمانی سے پرہیز کرنا چاہیے۔ رسم عثمانی کی پابندی کے ساتھ لکھے جانے والے مصاحف صرف خواص اور اہل علم کے لیے مختص ہونے چاہئیں۔(۷۵) اس نظریہ کے قائلین میں بدرالدین الزرکشی (صاحبِ البرہان) اور شیخ عزالدین بن عبدالسلام شامل ہیں۔ اور اس موقف کے صرف پہلے ''عوامی قرآن'' والے حصے کے قائلین بلکہ حامیوں میں مصر کے جدید علماء میں سے الشیخ حسین والی اور احمد حسن الزیات کا شمار بھی ہوتا ہے۔(۷۶) اس موقف کے حق میں یہ دلائل پیش کیے جاتے ہیں:

(۱) رسمِ عثمانی کے مطابق کتابت عوام کے لیے تلاوت اور قراءتِ قرآن میں دقت اور مشقت کا باعث بنتی ہے اور ان سے بعض دفعہ سنگین غلطی کا ارتکاب ہو سکتا ہے جو الٹا باعث گناہ ہوتا ہے۔

(۲) تاہم رسم عثمانی کو محض یادگارِ سلف ہونے کی حیثیت سے باقی رکھنا بھی ضروری ہے۔ ایک چیز کا یادگار رہنا

اور بات ہے اور روزمرہ کے استعمال میں لانا دوسری بات ہے۔ اس لیے ''رسمِ عثمانی'' والے مصاحف صرف خواص اہلِ علم تک محدود رہنے چاہئیں۔

اور غالباً اسی نظریہ سے متاثر ہونے اور اسی رفع التباس کی بنا پر ہی اہل مشرق (ایشیائی ممالک) میں بہت سی چیزوں میں رسم عثمانی سے بالفعل (عملاً) خلاف ورزی کا رواج ہوگیا ہے (۷۷) اور اہلِ مغرب (افریقہ) میں بھی رسم عثمانی کا التزام اس وجہ سے پایا جاتا ہے کہ اس کے بارے میں امام مالکؒ کا واضح قول ثابت ہے اور افریقہ اور مغرب میں زیادہ تر فقہ مالکی کا اتباع کیا جاتا ہے۔ (۷۸)

ان دونظریوں (جوازعدمِ التزام اور وجوبِ عدم التزام) کے قائلین کا ایک مشترکہ استدلال یہ بھی ہے کہ جزیرہ نمائے عرب میں کتابت عہد نبوی سے تھوڑا عرصہ پہلے متعارف ہوئی تھی اور اس کے جاننے والوں کی تعداد بھی محدود ہی تھی۔ گویا عربی املاء نزولِ قرآن کے وقت اپنے عہد طفولیت میں تھی اور کتابت میں حاذق اور ماہر لوگ کم ہی تھے' اس لیے اس میں قواعد کے لحاظ سے یکسانیت اور پختگی ابھی نہیں آئی تھی (۷۹)۔ لہٰذا ایک مقدس اور متبرک یادگار کے طور پر اس (رسم) کی حفاظت تو ضرور ہونی چاہیے مگر اسے معمول بہ بنانے میں کئی مفاسد ہیں۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ ان مؤخرالذکر دونظریوں کے حامیوں میں سے کسی نے صحابہؓ یا رسم المصحف کے خلاف کوئی ہرزہ سرائی نہیں کی (جس کے مرتکب دو مصری تجدد پسند عبدالعزیز فہمی اور مؤلف ''الفرقان'' ہوئے ہیں) (۸۰) بلکہ ان کا موقف اور مقصد صرف قراءتِ قرآن میں سہولت پیدا کرنا اور التباس اور خطا کے امکانات کو روکنا ہی معلوم ہوتا ہے۔

(۲۰) بہرحال اُمت کی غالب اکثریت کتابتِ مصحف میں رسم المصحف یا رسم عثمانی کی پابندی کی قائل رہی ہے۔ حتیٰ کہ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جن مصاحف کے اندر رسم عثمانی کی (عموماً غیرارادی) خلاف ورزی موجود ہوتی ہے ان کے بھی سرورق پر ''مطابق رسم عثمانی'' لکھا ہوتا ہے (۸۱)۔ اہل مشرق میں جو رسم عثمانی کی خلاف ورزی کی زیادہ مثالیں ملتی ہیں' اس کی بڑی وجہ نقل صحیح کا التزام کرنے کی بجائے حافظہ اور قیاس سے کام لینا ہے۔ پیشہ ورانہ عجلت بھی اس کا باعث بنتی ہے اور بڑا سبب کُتّابِ مصاحف کی کم علمی اور کتابت کی ماہرانہ نگرانی اور پڑتال کا فقدان ہے۔ مصاحف کے **مصححین** حضرات بھی رسم کی اغلاط سے یا تو خود بھی بے خبر ہوتے ہیں یا رسم کی بجائے حرکات کی اغلاط پر زیادہ توجہ دیتے ہیں۔ نظریاتی حد تک لوگ ہمیشہ رسم عثمانی کے التزام کے قائل رہے ہیں' بلکہ محتاط کاتب نقل صحیح کی پابندی بھی کرتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ منقول عنہ نسخہ میں ہی اغلاط موجود ہوں۔ (۸۲)

دورِ طباعت میں جب رسم عثمانی کی (عملی) مخالفت کی مثالیں بکثرت سامنے آنے لگیں (قلمی دور میں ان کا دائرہ محدود تھا) تو اہل علم میں اس کے تدارک کا داعیہ پیدا ہوا' جس کے نتیجے میں علم الرسم کے قواعد کی پابندی پر مبنی بعض مصاحف تیار ہوئے (۸۳) جن میں مصری' شامی' سعودی' تونسی اور لیبی مصاحف قابل ذکر ہیں۔ تجدد پسندوں کی انتہا پسندی کے خلاف ردعمل کے طور پر بھی رسم عثمانی کے حق میں داعیہ کی تجدید کا عمل شروع ہوگیا ہے۔

جہاں تک رسم عثمانی کی وجہ سے قراءت میں التباس والے اعتراض کا تعلق ہے تو اس کا ایک جواب یہ ہے کہ علم الضبط کے ذریعے اس مشکل پر مکمل قابو پا لیا گیا ہے اور یوں بھی قرآن کریم کی تعلیم صرف کتابت پر کبھی منحصر نہیں رہی۔ اس کے لیے عہد نبوی سے جاری تلقی وسماع کے طریقے پر استاد یا شیخ سے شفوی طور پر (زبانی) تلفظ اور اداء کا سیکھنا ناگزیر ہے۔ بلکہ اس طریقے کے بغیر تو آپ کسی بھی زبان کا پڑھنا یا بولنا نہیں سیکھ سکتے۔

عرب ممالک کے خواندہ لوگوں کے لیے رسم الخط کی ثنویت (روزمرہ میں رسم قیاسی اور تلاوت میں رسم عثمانی سے واسطہ پڑنا) التباس اور صعوبت کا باعث بنتی ہے۔ ورنہ دنیا میں لاکھوں (بلکہ شاید) کروڑوں ایسے مسلمان ہیں جو اسی رسم عثمانی کے مطابق (بیشتر مطابقت ہی ہوتی ہے) لکھے ہوئے مصاحف سے اپنے علاقے میں رائج علاماتِ ضبط کی بنا پر ہمیشہ درست تلاوت کرتے ہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس معاملے میں ''عوام'' کا نام تو محض ایک ''نعرہ'' کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ ورنہ ضرورت تو پڑھے لکھے عربی دانوں کو رسم قرآن سے شناسا کرنے کی ہے۔ رسم قرآنی کو ترک کرنا اس کا کوئی علاج نہیں ہے' بلکہ اس کے مفاسد بہت زیادہ ہیں۔ (۸۴) جب کہ رسم عثمانی کے التزام میں متعدد علمی اور دینی فوائد کا امکان غالب ہے۔ (۸۵)

(۲۱) البتہ رسم عثمانی کے بارے میں یہ بات واضح کرنا ضروری ہے کہ اس کی بنیاد روایت پر ہے اور روایت میں اختلاف کا پیدا ہونا ایک طرح سے ناگزیر ہے۔ یہاں بھی اختلافِ روایات موجود ہے۔ خود مصاحفِ عثمانیہ یا مصاحفِ امصار کے اندر طریق ہجاء اور املاء کے اختلافات سے علم الرسم کی کتابوں میں بحث کی جاتی ہے اور کتب رسم میں ایک اختلاف بیان کر کے عموماً ساتھ یہ بھی لکھ دیا جاتا ہے کہ اب ہمارے ہاں فلاں صورت پر عمل کیا جاتا ہے۔ مثلاً المارغنی نے لکھا ہے کہ اس کی شرح مورد کی بنیاد ''**بیان ماجری به العمل فی قطرنا التونسی**'' (اہل تونس کے معمول بہ قواعد کا بیان) ہے۔ اسی طرح علی محمد الضباع نے اکثر جگہ اختلافِ روایت بیان کر کے ساتھ اس قسم کے فقرے لکھے ہیں کہ ''**جری علیه المغاربة**'' (اہل مغرب کا عمل اس پر ہے) یا مثلاً ''**علیه جری عملنا**'' (ہمارا عمل اس پر ہے) یا مثلاً ''**وعلیه العمل**'' (اور عمل اس پر ہے) (۸۶) وغیرہ۔

پھر علماء رسم میں کسی اختلاف کی صورت میں ترجیح راجح کے اصول بھی بعض دفعہ مختلف ہوتے ہیں' مثلاً مصری' سعودی اور شامی علماء الدانی کے مقابلے پر (بصورت اختلاف) اس کے شاگرد ابوداؤد کے قول کو ترجیح دیتے ہیں (مصری' شامی اور سعودی مصاحف اسی اصول پر تیار ہوئے ہیں)۔ مگر لیبیا والے ابوداؤد کے مقابلے پر الدانی کے قول کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ لیبیا سے حال ہی میں شائع ہونے والے ''**مصحف الجماهیریه**'' میں کم وبیش ۱۳۶ مقامات پر الدانی کے قول کو ترجیح دیتے ہوئے مصری یا سعودی مصحف کی (رسم میں) مخالفت کی گئی ہے (۸۷)۔ اس مخالفت سے قراءت یا تلفظ میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

(۲۲) پاکستان میں حکومت اور ناشرین قرآن دونوں ہی رسم قرآنی یا رسم عثمانی کی حقیقت اور اس کے تقاضوں سے بےخبر ہیں۔ سعودی علماء علم الضبط اور علم الرسم میں فرق ہی نہیں کر سکے اور وہ اپنے یا عرب ملکوں کے ضبط کو وحی

کا درجہ دیتے ہیں۔ چنانچہ اس کے مخالف ضبط والے مصاحف کا اپنی مملکت میں داخلہ بند کر دیا ہے اور عوام کے لیے تلاوتِ قرآن جیسے کام میں رکاوٹیں اور مشکلات پیدا کر دی ہیں۔ ☆

ان تمام امور کو سامنے رکھتے ہوئے ضرورت اس امر کی محسوس ہوتی ہے کہ پاکستان میں اہل علم کا ایک بورڈ (ضروری نہیں کہ وہ منظور شدہ سرکاری ''علماء'' ہوں) علم الرسم کی روشنی میں متفق علیہ کلمات کی ایک فہرست تیار کرے اور پھر مختلف فیہ کلمات کی ایک پوری فہرست بنائی جائے۔ خصوصاً جن کا تعلق کوفی مصحف یا قراءت حفص سے ہو' کیونکہ اس علاقے میں یہی رائج ہیں۔ اور اگر باقی تمام مصاحف پر مبنی اور رائج رسماً مختلف فیہ کلمات کی فہرست بھی بن جائے تو یہ ایک مزید علمی خدمت ہوگی۔ اس طرح تمام مختلف فیہ کلمات کی بھی ایک جامع فہرست بن جائے جس میں اختلاف کی تمام مروی صورتیں جمع کر دی جائیں۔ اس کے بعد کتابت مصاحف کی نگرانی کا ایسا بندوبست کر دیا جائے کہ کم از کم متفق علیہ امور کی خلاف ورزی ہرگز نہ ہونے پائے اور مختلف فیہ کلمات کی مروی دو یا تین صورتوں میں سے ہی کسی ایک صورت کا اختیار کرنا لازمی ہو' اور اس میں چاہے اپنے علاقے کے مصحف (یعنی کوفی) کے رسم کو ترجیح دی جائے۔ بہر حال بیان کردہ اور مروی مختلف فیہ صورتوں سے باہر کوئی صورت اختیار نہ کی جائے۔

اگر حکومت پاکستان کو خدا یہ توفیق دے (ویسے یہ اس کی دستوری ذمہ داری بھی ہے) کہ وہ ان اصولوں کے مطابق رسم عثمانی کے التزام پر مبنی ایک نسخہ قرآن (کا مسودہ) تیار کرائے یا بطور نمونہ ہی محدود تعداد میں شائع کر دے' اس کے بعد تمام ناشرین کو رسم کی حد تک اسی کے اتباع کا پابند کر دے (۸۸)۔ البتہ اس کے لیے ضبط کی علامات وہی اختیار کی جائیں جو برصغیر میں عام طور پر رائج ہیں۔ ہاں اگر کہیں اس سے بہتر علامتِ ضبط ملے تو اسے بھی اختیار کر لینا چاہیے' یا ضرورتاً کوئی نئی علاماتِ ضبط ایجاد بھی کی جا سکتی ہیں۔ تاہم عملاً اس کی ضرورت نہیں پڑے گی' کیونکہ ہمارا نظامِ ضبط عرب ملکوں میں رائج ضبط سے زیادہ ترقی یافتہ بھی ہے اور ہمارے لوگوں کے لیے موزوں اور مانوس بھی ہے۔ اگر ایسا ہو جائے تو یہ قرآن کریم کی ایک بہت بڑی خدمت ہوگی۔ ویسے بھی اپنے اسلامی تشخص کی بنا پر پاکستان کا اس معاملے میں اپنے برادر اسلامی ملکوں سے پیچھے رہ جانا کوئی عزت کی بات نہیں ہے۔

حوالے اور حواشی

(۵۰) ذرا دیکھئے: ابن درستویہ ص ۷ تا ۹۔ (فہرست مندرجات) اسی سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ قواعد خمسہ ہی وہاں بھی موجود ہیں۔

(۵۱) ان مؤلفین اور ان کی کتب کا تعارف مقالہ ھذا کے پیراگراف نمبر ۱۱ اور نمبر ۱۲ میں کرایا جا چکا ہے۔

(۵۲) العقیلی ورق ۵/الف

(۵۳) ان کتابوں کا اجمالی ذکر اسی مقالہ کے پیراگراف نمبر ۱۲ میں گزر چکا ہے۔ ارکاٹی اور العقیلی کی کتاب (مخطوطے کا فوٹو سٹیٹ) مقالہ نگار کے پاس موجود ہیں۔ باقی کتابوں کے بارے میں غانم قدوری کے بیان پر اعتماد کیا گیا

ہے۔ دیکھئے: غانم‘ ص ۱۸۶

(۵۴) مزید وضاحت کے لیے دیکھئے: غانم‘ ص ۳۴۷۔۳۵۷

(۵۵) سمیر‘ ص ۲۳۔۲۵‘ الزرقانی: ص ۳۷۰ و ۳۷۵‘ الکردی‘ ص ۱۹۳ اور خصوصاً ص ۲۲۵۔۲۲۷۔ ان میں سے اکثر نے صاحب الابریز شیخ عبدالعزیز الدباغ کا ایک اقتباس بھی نقل کیا ہے۔

(۵۶) نمونہ کے لیے دیکھئے: البرہان‘ ص ۳۸۰ بعد اور الکردی‘ ص ۱۵۴ بعد۔

(۵۷) الکردی‘ ص ۲۲۴ بعد۔ خصوصاً الکردی کے ایک سوال کے جواب میں حبیب اللہ شنقیطی مرحوم کا خط جو مؤلف نے پورا شائع کر دیا ہے۔ نیز مؤلف نے نظریہ ’توقیف کے ناقابل قبول ہونے پر نہایت عمدہ دلائل دیے ہیں۔ طوالت کا خوف نہ ہوتا تو ہم یہ پوری بحث مقالہ میں لے آتے جو الکردی‘ ص ۹۸۔۲۰۱ پر دیکھی جاسکتی ہے۔

(۵۸) ہم نے یہاں ابن خلدون کی رائے کی صرف تلخیص پیش کی ہے۔ مکمل بحث مقدمہ‘ ص ۷۴۷۔۷۴۸ پر دیکھی جاسکتی ہے۔

(۵۹) اس کی ایک مثال سمیر‘ ص ۲۱ پر ملتی ہے جہاں مؤلف نے ابن خلدون کا ادھورا اقتباس دے کر اس کے نظریہ کو ’’افراط‘‘ اور صحابہؓ کی شان کے منافی قرار دیا ہے۔

(۶۰) الفرقان‘ ص ۱۵۴ تا ۱۹۱۔ نیز دیکھئے غانم‘ ص ۲۱۲‘ جہاں اس کتاب کا پورا قصہ لکھا ہے۔

(۶۱) اس کی ایک مثال مصری مؤلف عبدالجلیل عیسیٰ ہیں‘ جنہوں نے ابن خلدون کو داد دی ہے۔ دیکھئے المیسر (مقدمہ) ص ’’ی‘‘ تا ’’ل‘‘

(۶۲) یہ فہمی صاحب‘ مصطفیٰ کمال کی طرح‘ عربی کو بھی بحروف لاطینی لکھنے کے پرجوش حامی تھے‘ اس کے لیے اس نے ایک کتاب ’’الحروف اللاتينية لكتابة العربية‘‘ (قاہرہ ۱۹۴۴ء) لکھی جس میں اس نے **رسم المصحف** کو **سخیف** (احمقانہ) لکھا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے غانم‘ ص ۲۱۲۔

(۶۳) اردو میں غالباً اب تک اس موضوع پر بھی کوئی قابل ذکر تحقیقی کام (یا کسی ایسے کام کا ترجمہ تک) نہیں ہوا ہے۔ انگریزی (اور بعض دوسری یورپی زبانوں میں بھی) اور عربی میں اس پر اچھا مواد دستیاب ہے‘ مثلاً صلاح الدین المنجد‘ سہیلہ الجبوری‘ نبیہ عبود‘ صفدی‘ ماری شمل اور غانم قدوری کی تالیفات قابل ذکر ہیں۔

(۶۴) نامی‘ ص ۷‘ عبود ۲‘ ۳‘ ۱٤‘ ذنون ص ۷ ببعد اور نقشبندی‘ ص ۲۰۳ ببعد۔

(۶۵) المنجد ‘ص ۱۹ اور المورد‘ ص ۳۹۔٤۱

(۶۶) اس کی مثال کچھ ایسی ہے‘ جیسے ہمارے ہاں انگریزی کے دو ہجاء‘ برطانوی اور امریکی رائج ہیں۔ بلکہ اردو کے بھی دو ہجاء چلتے ہیں‘ ایک عام معروف ہجاء اور دوسرا انجمن ترقی اردو کا سرکاری ہجاء۔

(۶۷) دیکھئے‘ مقالہ ھذا کا حاشیہ نمبر ۲۴

(۶۸) رسم قیاسی کی اتنی ترقی اور استحکام کے باوجود املاء کے بعض طریقوں میں رسم قیاسی کے مقابلے پر آج بھی رسم قرآنی زیادہ علمی اور زیادہ سائنٹفک ہے‘ مثلاً ’’اشتریه‘‘ کے قرآنی رسم کے مقابلے پر رسم قیاسی کا ’’اشتراه‘‘ علمی اعتبار سے یقیناً ناقص ہے۔ مزید مثالوں کے لیے دیکھئے مقالہ ہٰذا کے پیراگراف نمبر ۹ کے آخر پر دی گئی فہرست کلمات۔

(۶۹) القاضی ‘ص ۷۹ ببعد‘ الخلیفه ‘ص ۲ اور مجله الکلیه‘ ص ۳٤۲ ببعد۔

(۷۰) سمیر‘ ص ۱۸۔۲۰‘ مجله الكلية‘ ص ۳٤۲‘ الزرقانی‘ ص ۳۷۲۔

(۷۱) القاضی، ص ٨٤

(۷۲) نامۂ آستان، ص ۱۵؛ تجوید القرآن، ص ۷۔

(۷۳) یہ ”حفاظت ورثہ“ والی بات جذباتی ہی نہیں، اپنے اندر ایک تہذیبی بلکہ قانونی اہمیت بھی رکھتی ہے۔ بر سبیل تذکرہ مصر کے ایک ناشر کے خلاف رسم قیاسی کے ساتھ لکھا ہوا ایک مصحف چھاپنے پر مقدمہ چلا۔ عدالت نے ناشر کے خلاف فیصلہ دیا اور نسخہ کی ضبطی کا حکم جاری کیا۔ عدالت نے اپنے فیصلے میں ایک ”نقطہ توجہ“ یہ لکھا کہ ”آثار سلف کی حفاظت ترقی یافتہ اقوام کا فریضہ اولین ہے“۔ یہی وجہ ہے کہ انگریز شیکسپیئر (یا دوسرے قدیم شعراء مثل چوسر وغیرہ) کا کلام ان ہی کے زمانے کے ہجاء وغیرہ کے ساتھ چھاپنا ضروری خیال کرتے ہیں اور وہ کسی طابع یا ناشر کو اس کی خلاف ورزی کی اجازت نہیں دیتے، حالانکہ تین چار سو سال میں انگریزی زبان بدل کر کچھ سے کچھ ہو چکی ہے، تو پھر قرآن کے بارے میں یہ اجازت کیسے دی جا سکتی ہے؟ واقعہ کی اصل روایت کے لیے دیکھئے: القاضی، ص ۸۶۔۸۷۔

(۷۴) الزرقانی، ص ۳۷۳۔۳۷۴۔ جہاں الانتصار للباقلانی کا ایک طویل اقتباس بھی دیا گیا ہے۔

(۷۵) القاضی، ص ۷۹۔۸۰، مجلۃ الکلیۃ، ص ۳۴۸۔ قریباً یہی بات امام مالکؒ نے کہی تھی کہ بچوں کی تعلیم کے لیے رسم عثمانی سے ہٹ کر لکھنا جائز ہے (دیکھئے: دلیل، ص ۲۴)

(۷۶) القاضی، ص ٨٢۔٨٣

(۷۷) القاضی، ص ٨٠ (بحواله التبيان)، الكردی، ص ١٩٧۔١٩٨۔

(۷۸) افریقی ممالک میں بچہ جتنا حصہ قرآن پڑھتا ہے وہ تختی پر نقل کر کے استاد کو دکھاتا بھی ہے، بلکہ اس مقصد کے لیے وہاں حروف سے بھی پہلے مکمل کلمات کا لکھنا سکھایا جاتا ہے۔ اس چیز سے وہاں مصحف کی نقل صحیح اور رسم عثمانی کی حفاظت کی روایت قائم ہو گئی ہے، جسے بوجوہ اہل مشرق برقرار نہیں رکھ سکے۔

(۷۹) القاضی، ص ۸۱۔ ہم اس پر ابھی پیراگراف ۱۸ کے آخر پر تنقید اور تبصرہ کر چکے ہیں۔ مناسب ہو گا کہ دوبارہ اسے بھی مستحضر کر لیا جائے۔

(۸۰) ان دونوں کے متعلق پیراگراف ۱۸ میں ”دوسرا نظریہ“ کے تحت بات ہو چکی۔ نیز دیکھئے حاشیہ نمبر ۶۰ مقالہ ھذا۔

(۸۱) مثلاً راقم الحروف کے پاس بمبئی سے مطبوعہ دو مصحف (ایک ۱۲۸۹ھ کا اور دوسرا ۱۳۰۴ھ کا) ایسے موجود ہیں جن پر صرف رسم عثمانی نہیں، بلکہ ”مصحف سیدنا عثمان“ کے رسم سے موافقت کا خصوصی ذکر ہے، مگر وہ رسم کی اغلاط سے یکسر مبرا نہیں ہیں۔

(۸۲) راقم الحروف نے ایک دفعہ پیر عبد الحمید مرحوم سے (جو تاج کمپنی کے مشہور کاتب مصاحف تھے) یہ پوچھا کہ ”آپ کتابت مصحف میں رسم عثمانی کا التزام کس طرح کرتے ہیں؟“ انہوں نے رسم عثمانی سے یکسر بے خبری کا اظہار کیا۔ میرے دوبارہ سوال پر کہ ”پھر آپ کے پاس کلمات قرآن کی ٹھیک املاء اور درست ہجاء کا کیا معیار ہے؟“ تو انہوں نے بتایا کہ ”میں اور کچھ نہیں جانتا، صرف انجمن حمایت اسلام کا مطبوعہ نسخہ قرآن سامنے رکھ کر ٹھیک ٹھیک نقل کی کوشش کرتا ہوں“۔ انجمن کا یہ نسخہ اپنی صحت کی بجا شہرت رکھتا ہے، اگرچہ رسم کے نقطہ نظر سے وہ بھی اغلاط سے خالی نہیں ہے۔

اس کے مقابلے پر راقم الحروف ہی کے پاس ضلع جھنگ کے ایک صاحبِ علم کاتب کا لکھا ہوا ایک خاندانی

قلمی مصحف ایسا بھی ہے جس میں کاتب خاص خاص جگہوں پر بین السطور یا حاشیہ میں ''بحذف الف'' یا ''بزیادة الواو'' وغیرہ کا نوٹ دے کر بعض دفعہ ساتھ کسی اہم کتاب الرسم مثلاً ''العقیلہ'' کا حوالہ بھی دیتے ہیں۔

(۸۳) اس قسم کے مصاحف کی تیاری کے بارے میں تفصیلی معلومات کے لیے دیکھئے: القاضی' ص۹۱-۹۴' غانم' ص۶۰۱-۶۰۹۔

(۸۴) مزید وضاحت کے لیے دیکھئے: الزرقانی' ص۳۹۰ بعد۔

(۸۵) تفصیل کے لیے دیکھئے: سمیر' ص۲۲-۲۳' القاضی' ص۸۶-۸۷' اور الزرقانی ص۳۶۶ بعد۔

(۸۶) دیکھئے: دلیل ص۵' اور سمیر ص۳۶' ۴۰' ۵۰' ۶۷' اور ۶۷ وغیرہ متعدد مقامات پر۔

(۸۷) دیکھئے: مقالہ ھٰذا کا حاشیہ نمبر۴۲۔

(۸۸) الازھر کی مجلس فتویٰ کی طرف سے ۱۳۵۵ھ میں (بذریعہ مجلة الازھر) یہ فتویٰ جاری ہوا تھا کہ رسم عثمانی کی پابندی کے بغیر قرآن کریم کی طباعت ناجائز ہے۔ اس کے بعد سے طباعت مصاحف میں اس التزام کے بارے میں ایک تحریک سی پیدا ہوگئی ہے' مگر جدید اور قیاسی املاء کے عادی خواندہ لوگوں کے لیے رسم قرآنی میں کیسے سہولت پیدا کی جائے؟ اس سوال کا ایک جواب تو وقت نظر سے اختیار کردہ علاماتِ ضبط کا نظام ہے۔ دوسرا علاج اس کا الازھر والوں نے ۱۳۶۸ھ میں ایک دوسرے فتویٰ کی صورت میں دیا جس کی رو سے یہ جائز قرار دیا گیا کہ اصل متن تو رسم عثمانی کے مطابق ہی رہے مگر نیچے ذیل (فٹ نوٹ) کے طور پر ''مشکل'' کلمات کو جدید املاء یا رسم معتاد کی شکل میں الگ بھی لکھ دیا جائے۔ چنانچہ عبدالجلیل عیسیٰ کے حاشیہ کے ساتھ ''**المصحف المیسر**'' اسی اصول پر علماء الازہر کی نگرانی میں تیار ہو کر شائع ہوا تھا۔ یہ بھی اس مسئلہ کا ایک عمدہ حل ہے۔ تاہم غالباً پاکستان میں اس کی ضرورت نہیں۔ یہ پڑھے لکھے عربوں کے مسئلہ کا حل ہے۔ ہمارے ہاں رسم عثمانی کا مکمل التزام درکار ہے اور اس کے پڑھنے کے لیے ہمارا نظام ضبط اور استاد کی تعلیم کافی ہے۔

مفتاح المراجع

مقالہ کی تیاری میں جن کتب اور مجلّات وغیرہ سے مدد لی گئی ہے' تکرار میں طوالت سے بچنے کے لیے ان کے حوالے اختصار کے ساتھ مذکور ہوئے ہیں۔ ذیل میں ان تمام حوالوں کی ''مفتاح'' ابجدی ترتیب کے ساتھ پیش کی جاتی ہے۔ اس میں بیان کتابیات کے روایتی طریقے پر ہر ایک حوالے کے متعلق ضروری معلومات شامل ہیں۔

(۱) البرهان: امام بدرالدین الزرکشی۔ البرهان فی علوم القرآن: عیسی البابی۔ القاهره - ۱۹۵۷ء۔

(۲) البری: عبد الله خورشید البری۔ القرآن وعلومه فی مصر۔ دار المعارف القاهره' ۱۹۶۹ء۔

(۳) تجوید القرآن: علی بن محمد الحسینی کا رسالہ تجوید القرآن بزبان فارسی۔ یہ رسالہ ایک ایرانی مصحف مترجم بترجمہ آقائی معزی کے ساتھ شامل ہے جسے کتاب فروشی اسلامیہ' تہران نے ۱۳۷۷ھ میں شائع کیا تھا۔

(٤) تلخیص: علی بن عثمان ابن القاصح ــــ تلخیص الفوائد وتقریب المتباعد (شرح العقیله للشاطبی) مصطفی البابی۔ القاهره' ۱۳۶۸ء

(٥) الخلیفه: دکتور یوسف الخلیفہ ابوبکر السودانی کا مقالہ ''**الرسم القرآنی وصعوبات التعلیم الناتجة عنه**'' جو سعودی عرب کے اخبار **المدینة المنورہ** کی اشاعت ۱۲ شوال ۱۴۰۱ھ میں شائع ہوا تھا۔

(٦) ابن درستویه:عبد اللّٰہ بن جعفر الشہیر بابن درستویہ۔ کتاب الکتّاب۔مطبعة کاثولیکیہ' بیروت'١٩٢٧ء۔

(٧) دلیل : ابراھیم بن احمد المارغنی۔دلیل الحیران شرح مورد الظمآن۔مکتبة الکلیات الزھریة القاہرہ۔ ت (سنہ ندارد)۔

(٨) ذنون: یوسف ذنون الموصلی کا مقالہ ''قدیم وجدید فی اصل الخط العربی وتطورہ فی عصورہ المختلفة''۔ جو عراق کے مجلّہ ''المورد' العدد الرابع ١٤٠٧ھ میں شائع ہوا۔

(٩) الزرقانی: عبد العظیم الزرقانی' مناھل العرفان فی علوم القرآن۔عیسی البابی' القاہرہ'١٣٧٢ھ۔

(١٠) الزرکلی: خیر الدین الزرکلی' الاعلام۔الطبعة الثالثہ۔ بیروت'ب۔ت(سنہ ندارد)

(١١) سعودی مصحف : سعودی حکومت کا شائع کردہ "مصحف المدینة النبویة" ١٤٠٦ھ۔

(١٢) سمیر: علی محمد الضباع "سمیر الطالبین فی رسم وضبط الکتاب المبین"مکتبة ومطبعة المشھد الحسینی۔القاہرہ 'ب۔ ت (سنہ ندارد)۔

(١٣) صبحی: دکتور صبحی صالح'مباحث فی علوم القرآن'دار العلم للملایین۔بیروت'١٩٦٤ء۔

(١٤) عبود : انگریزی مراجع میں Abbot Nabia دیکھئے۔

(٥١) العقیلی : ابن الطاھر اسماعیل بن ظافر العقیلی۔"فی مرسوم خط المصاحف" ادارہ تحقیقات اسلامی کا مخطوطہ(مقالہ کا پیراگراف ١٢(٦) اور حاشیہ ٤٣ بھی ملاحظہ فرمایئے۔)

(١٦) غانم : غانم قدوری الحمد' رسم المصحف'دراسة لغویة تاریخیة۔ بغداد'١٤٠٢ھ ۔ یہ کتاب عراق کی ہجرہ کمیٹی نے شائع کی ہے۔

(١٧) الفرقان : محمد محمد عبد اللطیف (ابن الخطیب)الفرقان'مطبعة دارالکتب المصریہ' القاہرہ'١٣٦٧ھ ١٩٤٨ء (حاشیہ ٦٠ اور ٨٠ پر بھی نظر ڈال لیجیے)۔

(١٨) الفھرست : ابن الندیم' الفھرست' المطبعة الرحمانیہ بمصر' القاہرہ'١٣٤٨ھ۔

(١٩) القاضی : عبد الفتاح القاضی' تاریخ المصحف الشریف' مکتبة ومطبعة المشھد الحسینی' القاہرہ' ب۔ت(سنہ ندارد)

(٢٠) قلقشندی : ابو العباس احمد بن علی القلقشندی۔صبح الاعشی فی کتابة الانشاء ۔وزارة الثقافة والارشاد القومی۔مصر ١٩٦٣ء۔

(٢١) الکردی : محمد طاھر بن عبد القادر الکردی الخطاط۔تاریخ القرآن۔غرائب رسمہ وحکمہ۔مصطفی البابی۔القاہرہ'١٣٧٢ھ۔ ١٩٥٣ء

(٢٢) لبیب : دکتور لبیب السعید۔ الجمع الصوتی الاول للقرآن'دار المعارف القاہرہ'ب ت ۔

(٢٣) لیبی مصحف : حکومت لیبیا کا شائع کردہ "مصحف الجماھیریة" طرابلس'١٩٨٦ء۔

(٢٤) مجلة : مجلة کلیة القرآن الکریم والدراسات الاسلامیة بالجامعة الاسلامیة' (المدینة المنورہ) العدد الاول' ١٤٠٢ھ۔

(٢٥) المصاحف : ابن ابی داود السجستانی۔کتاب المصاحف۔المطبعة الرحمانیہ بمصر'١٣٥٥ھ۔ ١٩٣٦ء۔

(٢٦) مصری مصحف:حکومت مصر کا شائع کردہ "مصحف الملك" القاہرہ'١٣٧٧ھ۔

(۲۷) مقدمہ : علامہ عبد الرحمٰن ابن خلدون۔مقدمہ کتاب العبر‘دار الکتاب اللبنانی‘بیروت‘۱۹۶۱ء۔

(۲۸) المنجد : دکتور صلاح الدین المنجد‘ دراسات فی تاریخ الخط العربی‘ منذ بدایته الی نهایة العصر الاموی‘ دارالکتاب الجدید‘ بیروت‘۱۹۶۱ء۔

(۲۹) المورد : وزارة الثقافة والاعلام۔ عراق کے سرکاری مجلّہ المورد کا عدد خاص‘العدد الرابع‘۱۴۰۷۔۱۹۸۶ء (المورد کے ۱۹۸۱ء کے ایک عدد سے بھی کچھ استفادہ کیا گیا ہے‘اس کا ذکر وہیں کر دیا گیا ہے۔)

(۳۰) المیسر : عبد الجلیل عیسی‘ المصحف المیسر‘ دار القلم‘القاهره‘۱۳۸۲ھ۔

(۳۱) نامی: خلیل یحیٰ نامی کا مقالہ ”اصل الخط العربی وتاریخ تطوره الی ما قبل الاسلام“ جو مجله کلیة الآداب‘ الجامعة المصرية کے شمارہ مئی ۱۹۳۵ء میں شائع ہوا تھا۔

(۳۲) نخبة : عبد الفتاح الخليفه۔نخبة الاملاء۔مطبعة المعاهد بمصر‘القاهره‘۱۳۴۵ھ- ۱۹۲۶ء

(۳۳) نقشبندی: اسامه ناصر النقشبندی کا مقالہ مبدأ ظهور الحروف العربية وتطورها لغاية القرن الاول الهجری ”جو عراق کے مجلّہ المورد‘العدد الرابع ۱۴۰۷ھ میں شائع ہوا ہے۔

(۳۴) نامۂ آستان: نامۂ آستان قدس‘مشہد۔ایران‘شمارہ ۱و۲‘دورہ نہم (محرم صفر ۱۳۹۱ھ)۔

(۳۵) یوسف علی: دیکھیے انگریزی میں Yusuf Ali

ENGLISH REFERENCES

1. *ABBOT, NABIA: The Rise of the North Arabic Script and its K ur'anic Development, Chicago, 1939.*
2. *DENFFER, Ahmad Von: An Introduction to the Sciences of the Quran, Islamic Foundation, Leicester (U.K), 1973.*
3. *Yusuf Ali, Allam.A: The Holy Quran, Translation & Commentary, Islamic Centre, Washington D.C (N.D).*

❁❁❁

شرک کی حقیقت، اقسام اور دورِ حاضر کے شرک سے واقفیت کے لیے مطالعہ کیجیے

حقیقت و اقسامِ شرک

ڈاکٹر اسرار احمد

اشاعت خاص 100 روپے، اشاعت عام 60 روپے